© rasailojaraid.com

تعارفِ کتب

اسلام اور عالمِ عربی، مولفہ پروفیسر روم لینڈاؤ، پروفیسر اسلامیات، کالج آف دی پیسیفک، کیلیفورنیا (امریکہ) شائع کردہ جارج ایلن اینڈ انوِن لمیٹڈ، لندن، ضخامت ۲۹۸ صفحات قیمت بائیس روپے آٹھ آنے۔

مغربی مصنفین کے قلم سے اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کتابوں کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ کم و بیش چار سو سال سے جاری ہے۔ اس سلسلہ کا آغاز ان لوگوں نے کیا جو مغربی اقوام کو اسلام سے بدظن کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے انھوں نے دیدہ و دانستہ دروغ بافیوں پر کمر باندھی۔ چنانچہ جو کتابیں سترھویں اور اٹھارھویں صدی عیسوی شائع ہوئیں ان میں سے بعض کتابوں میں ہمیں یہ بات لکھی ہوئی ملتی ہے کہ "مسلمان بُت پرست ہیں، وہ اپنے پیغمبرؐ کے طلائی بت کو سجدہ کرتے ہیں۔ جو خانۂ کعبہ میں معلق ہے"۔ نعوذ باللہ من تلك الهفوات والخرافات۔

غلط بیانیوں کا یہ سلسلہ موجودہ صدی کے اوائل تک جاری رہا لیکن گذشتہ بیس پچیس سال سے مغربی مصنفین اور مستشرقین کے زاویۂ نظر میں ایک خوش آئند تبدیلی پیدا ہو گئی ہے اور مذکورہ بالا کتاب اس کی ایک قابلِ قدر مثال ہے جس میں مصنف نے اپنے ہم مذہب مستشرقین کی بہت سی غلط بیانیوں اور دروغ بافیوں کی تردید کی ہے۔ اور دینِ اسلام کی بعض خوبیوں اور بعض خصوصیات کا صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ توحید، رسالت اور وحی کی تشریح میں مصنف سے فکر و نظر کی لغزشیں سرزد ہوئی ہیں، لیکن ان کوتاہیوں پر ہم انھیں اسلئے موردِ الزام قرار نہیں دیتے کہ بہرحال وہ ایک غیر مسلم ہیں اور کسی غیر مسلم سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ حقائقِ اسلام کی تشریح ایک مسلمان کے زاویۂ نگاہ سے کرسکیگا۔

خالص علمی نقطۂ نگاہ سے اس کتاب کا نواں باب بعنوان فلسفہ سب سے زیادہ قابلِ قدر ہے۔ اس باب کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مصنف نے مسلمان اور عیسائی حکماء اور متکلمین کا گہرا مطالعہ کیا ہے جس شخص نے ان حکماء اور متکلمین کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ اس باب کو پڑھ کر مصنف کی ژرف نگاہی کے اعتراف پر مجبور ہو جائیگا۔ انہوں نے اکثر مقامات میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ عیسائی حکماء اور متکلمین نے ہر قدم پر مسلمان حکمائے سے استفادہ کیا ہے مثلاً:

(۱) "مسلمان حکماء اور متکلمین کی تصانیف نے عیسائی حکماء اور متکلمین کے افکار پر گہرا اثر مرتب کیا۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اگر کرسچین فلاسفی، فارابی، ابن سینا، امام غزالی اور ابن رشد کے خیالات سے مستفید نہ ہوتی تو آج اسکی وہ نوعیت نہ ہوتی جو ہے" ص ۱۴۵

(۲) "فارابی کے فلسفہ کا طامس ایکوئناس کے افکار پر بہت گہرا اثر مرتب ہوا۔ عیسائی دنیا کے اس سب سے بڑے فلسفی نے اپنی دونوں بنیادی تصانیف میں حوالہ دیئے بغیر فارابی کے اہم افکار اور براہین سے استفادہ کیا ہے، اور بعض مقامات میں اس کی عبارتیں لفظ بلفظ نقل کردی ہیں"۔ ص ۱۴۷۔

مصنف نے شیخ اکبر حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ کی شخصیت اور ان کے فلسفیانہ افکار پر جو تبصرہ کیا ہے وہ اگرچہ بغایت مختصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے لیکن اسقدر جچا تلا اور صحیح ہے کہ بلا شبہ لائقِ صد تحسین و آفرین ہے۔ اس مختصر تبصرہ کے علاوہ انہوں نے ۱۹۵۷ء میں مسلم ورلڈ میں شیخ اکبرؒ کے فلسفہ پر ایک مبسوط مقالہ بھی لکھ کر شائع کیا تھا اور اسکے بعد اسی موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ہے "فلسفۂ ابن عربیؒ" جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ ہم ناظرین کی آگاہی کیلئے مصنف کے تبصرہ کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں:-

"شیخ اکبر اگرچہ اصلاً ایک صوفی ہیں لیکن انھوں نے اپنے مکاشفات کو ایک ایسے فلسفیانہ نظام کی شکل میں مدوّن کیا ہے جو اتنا ہی مربوط اور منطقیانہ ہے جتنا کسی بڑے سے بڑے فلسفی کا۔ اگرچہ ان کا اسلوب بیان، اکثر مقامات میں بہت ایمائی بھی ہے اور پیچیدہ بھی، لیکن انکی تعلیمات میں ایسی وحدت افکار اور داخلی کیفیت پائی جاتی ہے، جو انکے کسی دوسرے ہمپایہ مسلمان فلسفی کی تصانیف میں نظر نہیں آتی۔ کوئی مسلمان فلسفی اس ظاہری تضاد کو رفع کرنے میں دراصل کامیاب نہیں ہوسکا جو خیر و شر، جبر و اختیار، وحدت و کثرت وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل شیخ اکبرؒ نے وحدت الوجود کا ایسا کامل فلسفہ پیش کیا ہے جس کی رو سے دوئی کی تمام صورتیں وحدت میں مبدل ہو جاتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مغربی اور سامی دنیا میں انکے سوا اور کوئی فلسفی ایسا نہیں گذرا جس نے اس ہفتخوانِ رستم کو کامیابی کے ساتھ طے کیا ہو۔

چونکہ ابن عربیؒ کا مرکزی نقطۂ فکر "لا موجود الا اللہ" ہے یعنی اللہ کے سوا اور کوئی شئے درحقیقت موجود نہیں ہے۔ اسلیئے بعض کوتاہ بینوں نے انھیں یہ کہہ کر متہم کیا کہ وہ PANTHEIST ہیں یعنی حلول کے قایل ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کی تعلیمات سے اربابِ حلول کا یہ دعوی ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ہر شئے خدا ہے۔ بخلاف ایں وہ یہ کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر شئے میں خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے یعنی ہر شئے مظہرِ ذات ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کائنات، ذاتِ باری کے ظہورِ مسلسل کا دوسرا نام ہے۔ ص ۱۵۷-۱۵۸

جب ہم نے یہ عبارت پڑھی تو مصنف کی ژرف نگاہی کا اعتراف کرنا پڑا۔ کیونکہ اکثر تعلیم یافتہ حضرات اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ شیخ اکبرؒ بھی PANTHEIST یعنی حلول کے قائل ہیں۔ اور چونکہ یہ عقیدہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اسلیئے بلا تامل شیخ موصوفؒ کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ حالانکہ فتوحات مکیہ کے دیباچہ میں شیخ اکبرؒ نے اپنے عقائد بالتفصیل واضح کر دیئے ہیں۔ اور وہ عقائد اہل سنت والجماعت کے مسلک سے اس درجہ مطابقت رکھتے ہیں کہ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو المنصور ماتریدی اور ملّا جلال الدین دوانی اور علّامہ سعد الدین تفتازانی، سید شریف جرجانی، علّامہ عضد الدین ایجی اور ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی اور ان کے علاوہ ساری دنیائے اسلام کے متکلمین ملکر بھی کوئی عقلی یا نقلی اعتراض وارد نہیں کر سکتے۔ فتوحاتِ مکیہ کوئی نایاب کتاب نہیں ہے قاہرہ سے لیکر لاہور تک ہر شہر میں مل سکتی ہے جس کا جی چاہے اِس گوہر آبدار کی پہلی جلد کے پہلے باب کا پہلا وصل پڑھ کر اپنی تسلّی کرے۔

صوفیائے کرام بھلا کس طرح حلول یا اتحاد کی تعلیم دے سکتے ہیں جبکہ یہ دونوں عقیدے قرآن حکیم کی تعلیمات کے خلاف ہیں اسلامی تصوف کا منبع قرآن اور حدیث ہے نہ کہ خیالاتِ عجم یا توہمات ہند یا خرافاتِ یونان۔

حضرت محمود شبستریؒ فرماتے ہیں کہ ہم وحدتِ وجود کی تعلیم دیتے ہیں نہ کہ حلول یا اتحاد کی۔ کیونکہ حلول یا اتحاد سے دوئی یعنی غیر اللہ کا اثبات ہوتا ہے اور عقیدۂ وحدتِ وجود میں "دوئی" تو سراسر گمراہی ہے۔

حلول و اتحاد از غیر خیزد ولے وحدت ہمہ از سیر خیزد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حلول و اتحاد ایں جا محال است   کہ در وحدت دوئی عین ضلال است (گلشن راز ص۳۱)

مطلب بیان کرنے سے پہلے ہم حلول اور اتحاد کی وضاحت کرتے ہیں :-

حلول کا مطلب ہے ایک شئے یا ذات کا دوسری شئے یا ذات میں داخل ہو جانا، یا جاری و ساری ہو جانا جس طرح شکر پانی میں حل ہو جاتی ہے۔ اور اتحاد کہتے ہیں دو مختلف چیزوں کا باہم مل جانا۔ حضرت موصوفؒ فرماتے ہیں کہ حلول اور اتحاد کے اثبات کیلئے غیر اللہ (خدا کے علاوہ کسی مستقل بالذات شئے) کا وجود، شرط اولین ہے، اور وحدت اس مشاہدہ کا نتیجہ ہے کہ غیر اللہ کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر   سوی اللّٰہِ، واللّٰہِ، ما فی الوجود

مسلک وحدت وجود میں حلول اور اتحاد دونوں محال عقلی ہیں یعنی کوئی وجودی، حلول یا اتحاد کا قائل نہیں ہو سکتا، کیوں؟ اس لئے کہ وحدت (توحید وجودی) میں حلول اور اتحاد تو کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

ہمارے انگریزی دان حضرات کی غلط فہمی یا غلط بینی کا مبنیٰ یہ ہے کہ یہ حضرات شیخ اکبرؒ یا دوسرے اکابر کی کتابیں تو پڑھ نہیں سکتے انکے علم کا تمامتر دارومدار مغربی مصنفین کی تحقیقات عالیہ پر ہوتا ہے۔ مغربی مصنفین وحدتِ وجود سے تو کیا واقف ہوتے، وہ آج تک اسلامی تصوف کی مشہور اصطلاح "فنا" کے مفہوم سے بھی آگاہ نہ ہو سکے۔ یہ لوگ اپنی نادانی کی بناء پر اس اصطلاح سے فنائے ذات مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ اس سے فنائے ذات ہرگز مراد نہیں ہے، اور ہو بھی کیسے سکتی ہے، جبکہ قرآن حکیم "لقا" کی تعلیم دے رہا ہے اور لقاء رب کیلئے سالک کی بقاء لازمی ہے۔ اگر سالک فنا ہو گیا تو ملاقات کون کریگا؟ جیسا کہ حضرت شیخ علی ہجویریؒ، الشیخ ابو نصر سراجؒ اور ہمارے زمانے میں حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے، فنا سے فنائے ذات مراد نہیں ہے بلکہ نفسانی خواہشات کی فناء مراد ہے جس کے بعد سالک باقی باللہ ہو جاتا ہے یعنی وہ اپنے نفس کے اعتبار سے گویا مر جاتا ہے۔ اور اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی سے مطابق کرنے کے بعد اللہ کے ساتھ باقی رہتا ہے اور اس حالت میں اس کی پوری زندگی اللہ کی مرضی کے تابع ہو جاتی ہے : ع

تابع، حق دیدن و نا دیدنش

اسی نکتہ کو عرفاء نے نئی زندگی یا دوسری زندگی سے تعبیر کیا ہے۔ جناب مسیحؑ سے جو یہ قول منسوب ہے کہ "جب تک ایک آدمی مر کر دوبارہ پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا" اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ اقبال مرحوم نے بھی جاوید نامہ میں ان اشعار میں اسی نئی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو نفس پر فناء وارد کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے :-

از طریقِ زادن اے مردِ نکو   آمدی اندر جہانِ چار سُو
ہم بروں جَستن بزادن می تواں   بند ہا از خود کشادن می تواں
لیکن ایں زادن نہ از آب و گِل است   داند آں مرشے کہ او صاحب دل است
آں ز مجبوری است، ایں از اختیار   آں نہاں در پردہ ہا، ایں آشکار
آں یکے باگریہ، ایں باخندہ ایست   یعنی آں جوئندہ، ایں یابندہ ایست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آں سکون و سیر اندر کائنات　　　ایں سراپا سیر بیروں از جہات
زادنِ طفل از شکست اشکم است　　　زادنِ مرد از شکستِ عالم است
ہر دو زادن را دلیل آمد اذاں　　　ایں بلب گویندہ آں از عین جاں
جانِ بیدارے چو زاید در بدن　　　لرزہ ہا افتد دریں دیرِ کہن

(جاوید نامہ صفحہ ۱۵، ۱۶)

جو لوگ فارسی نہیں جانتے ان کیلئے ان اشعار کا مطلب اُردو میں بیان کئے دیتے ہیں :- اقبال کہتے ہیں کہ انسان ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر اس دُنیا میں آتا ہے اسی طرح دوبارہ پیدا ہو کر ایک شخص اس دُنیا سے باہر بھی نکل سکتا ہے یعنی اُن قیود اور حدود کو توڑ سکتا ہے جن میں وہ محصور ہے لیکن یہ پیدائش مادّی یا جسمانی طریق پر نہیں ہوتی۔ اس راز سے صرف صاحب دل (سالک) ہی واقف ہو سکتا ہے یعنی وہ شخص جو اپنی نفسانی خواہشات کو فنا کرنیکے بعد بقاء اللہ کے مقام پر قائم ہو چکا ہے۔ بچے کی پیدائش میں مجبوری کا رنگ پایا جاتا ہے یعنی وہ اپنی مرضی یا کوشش سے اس دُنیا میں نہیں آتا لیکن یہ دُوسری پیدائش سالک کے اختیار پر موقوف ہے۔ وہ پیدائش پردے میں ہوتی ہے، یہ پیدائش علانیہ ہوتی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو روتا ہے مگر جب سالک دوبارہ پیدا ہوتا ہے تو ہنستا ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ بچہ جس بات کا جویا ہے یہ اسے حاصل کر لیتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ حصولِ مقصد کے بعد انسان روتا نہیں بلکہ خوش ہوتا ہے۔ بچے کی زندگی کیا ہے؟ کائنات میں سکون اور حرکت۔ مگر سالک کی زندگی جو فناءِ نفس کے بعد حاصل ہوتی ہے، وہ سراسر سیر ہے (اس میں سکون نہیں)۔

ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلّی　　　اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

نیز سالک اپنی سیر میں زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو جاتا ہے۔ بچّہ کی پیدائش کیا ہے؟ پیٹ کی حدود کو توڑ دینا۔ مگر سالک کی یہ دُوسری پیدائش زمان و مکان (عالم) کی حدود کو توڑ دیتی ہے۔ دونوں کی پیدائش کا اعلان اذان کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بچے کی پیدائش پر مُنہ سے اذان دی جاتی ہے۔ مگر جب سالک دوبارہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی رُوح کی گہرائیوں سے اذان دیتا ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن　　　مُلّا کی اذان اور، مجاہد کی اذان اور

جب کسی کو یہ نئی زندگی حاصل ہوتی ہے یعنی جب ایک شخص فناءِ نفس کے بعد بقاء باللہ کا مقام حاصل کرتا ہے، تو اس دُنیا میں انقلاب عظیم برپا کر دیتا ہے، اور بڑے بڑے بادشاہ فوج اور خزانے کے باوجود اس کے نام سے لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ اگر مثال درکار ہو تو اُن قدسی نفوس حضرات کے سوانح حیات پڑھ لو جنھوں نے یہ نئی زندگی حاصل کر لی تھی، جن کو دنیا والے خواجہ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ، سلطان نظام الدین اولیاءؒ، شاہ بو علی قلندر پانی پتیؒ، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ، خواجہ سید محمد گیسو درازؒ اور شاہ نور عالمؒ کے نام سے آج بھی جانتے اور پہچانتے ہیں بلکہ اُن کے مبارک آستانوں پر سر جھکانا عین سعادت سمجھتے ہیں۔ کیا اُن اربابِ علم سے جنھوں نے ان بزرگوں کے سوانح حیات کا مطالعہ کیا ہے، یہ حقیقت مخفی ہے کہ سلطانِ عصر ان بزرگوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوا کرتے تھے؟ کیا سلطان شمس الدین التمش نے خواجہ قطب الدین بختیارؒ کی اور سلطان غیاث الدین بلبن نے خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی اور سُلطان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احمد خاں نے خواجہ گیسو دراز کی، اور سلطان محمود بیگڑا نے شاہ نور عالم کی، اور سلطان فیروز تغلق نے حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے حاضری نہیں دی؟ کیا یہ ایک تاریخی واقعہ نہیں ہے کہ ساری دنیا شاہجہان کے سامنے زمین بوس ہوتی تھی، مگر حضرت میاں میر کی خانقاہ میں شاہجہاں خود حاضر ہوا تھا؟ کیا ایک گدائے بوریا نشین (حضرت قلندر صاحب پانی پتی) نے سلطان علاء الدین خلجی کو یہ عتاب نامہ نہیں بھجوایا تھا کہ

"شحنۂ دہلی کو معلوم ہو کہ اگر اس نے یہاں کے عامل کو فی الفور تبدیل نہیں کیا تو تختِ دہلی پر جلوس کرنے کے لئے یہاں سے دوسرا آدمی بھیجدیا جائیگا"

اقبال مرحوم نے اسی مضمون کو یوں نظم کیا ہے :-

باز گیر ایں عاملِ بد گوہرے ورنہ بخشم ملکِ تو با دیگرے

باز آمدم برسر مطلب، مغربی مصنفین یعنی مستشرقین نے جب بودھ دھرم کا مطالعہ کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ مذہب (جو در اصل مذہب نہیں ہے بلکہ ایک فلسفیانہ نظام ہے) نروان کی تعلیم دیتا ہے جس کا مطلب ہے فنائے ذات۔ اسکے بعد جب انھوں نے اسلامی تصوف میں فنا کا لفظ پڑھا تو انھوں نے اس اصطلاح کو نروان کا مترادف قرار دیدیا اور یہ فتوی صادر کر دیا کہ اسلامی تصوف دراصل بودھ دہرم سے ماخوذ ہے۔ انکے اس غیر معقول فیصلے کی اصلی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہر وقت اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اسلام کو سابقہ مذاہب سے ماخوذ ثابت کیا جائے۔ چنانچہ انکی تحقیق کی تان ہمیشہ اس بات پر آکر ٹوٹتی ہے کہ اسلام دراصل مجوسیت، یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ اندریں حالات یہ لوگ اسلامی تصوف کے معاملہ میں دیانتداری اور انصاف سے کیسے کام لے سکتے ہیں؟

تصوف کی تحقیق کے سلسلے میں جب ان لوگوں نے شیخ اکبر اور دوسرے اکابر صوفیہ کی تصانیف کا مطالعہ کیا تو وحدت وجود کو افلوطین کے افکار سے ماخوذ قرار دیا اور چونکہ اس کے فلسفہ کو PANTHEISM سے موسوم کیا گیا، اس لئے انہوں نے اعلان کر دیا کہ شیخ اکبر نے بھی اسی مسلک یعنی حلول کی تعلیم دی ہے یعنی وہ بھی PAN THEIST ہیں حالانکہ "پین تھی ازم" اور "وحدت وجود" میں بہت بڑا فرق ہے۔

لفظ "پین تھی ازم" کے معنی ہیں "شمول الالوهیة ای ان الله انما هو القوی والنوامیس الطبیعة او انه حال فی کل شئ ولیس مستقلاً۔ یعنی یہ عقیدہ کہ اللہ کی ذات نیچر یا فطرت (کائنات) کی قوتوں اور نوامیس سے عبارت ہے یا وہ ہر شئے میں بمنزلۂ حال ہے جیسے گلاس میں پانی اور اس کا کوئی مستقل جداگانہ وجود نہیں ہے۔

یہ ہے مطلب "پین تھی ازم" کا اور جن لوگوں نے شیخ اکبر کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ انھوں نے کسی جگہ بھی یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ خدا کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے یا وہ ہر شے میں حلول کئے ہوئے ہے یا اشیائے سے متحد ہو گیا ہے۔ ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کا عقیدہ ذیل میں درج کرتے ہیں :-

"ان الله تعالیٰ الٰهٌ واحدٌ، لا ثانی لهٗ فی الالوهیة، منزه عن صاحبة والولد، مالکٌ لا شریک له، لا وزیر لهٗ، صانعٌ لا مدبر معهٗ، موجودٌ بذاته من غیر افتقار الی موجد، بل کل موجود سواه مفتقرٌ الیه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی وجودہٖ، فالعالم کل موجودٌ بہٖ، وھو وحدہٗ متصفٌ بالوجود لِنفسہٖ، لا افتتاح لِوجودہٖ، ولا نہایۃ لِبقآئہٖ، بل وجودٌ مطلقٌ غیر مقیدٍ قائمٌ بنفسہٖ، لیس بجوھرٍ متحیّزٍ فیقدر لہ المکان، ولا بعرض فیستحیل علیہ البقاء، ولا بجسمٍ فتکون لہٗ الجھۃ والتلقاء، مقدسٌ عن الجھات والاقطاء، مرئیٌ بالقلوب والابصار لِذا شآءَ استوی علی عرشہٖ، ولہٗ الاخرۃ والاولی، لیس لہٗ مثلٌ معقولٌ، ولا دلّت علیہ العقول، لا یحدہ الزمان ولا یقلہ المکانُ انشاء الزمان، وقال انا الواحد الحی، لا یَؤُدُہٗ حفظ المخلوقات، ولا ترجع الیہ صفۃ لم یکن علیھا من صنعۃ المصنوعات، تعالیٰ ان تحلہ الحوادث، او یحلھا، او تکون بعدہ او یکون قبلھا بل یقال کان ولا شیٔ معہٗ فان القبل والبعد من صیغ الزمان الذی ابدعہ، فھو القیوم الذی لا ینام والقھار الذی لا یرام، لیس کمثلہٖ شیٔ، ابدع العالم کلہ علی غیر مثال سبق وخلق الخلق واخلق الذی خلق، فلا تتحرک ذرّۃٌ الا الیہ وعنہ، خلق الکل من غیر حاجۃ الیہ، ولا موجبٌ اوجب ذٰلک علیہ، لاکن علمہ سبق بان یخلق ما خلق، فھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن وھو علی کل شیٔ قدیر، احاط بکل شیٔ علماً واحصیٰ کل شیٔ عدداً، یعلم السر واخفیٰ، علم الاشیا منھا قبل وجودھا ثم اوجدھا علی حد ما علمھا فلم یزل عالماً بالاشیاء، ولا معقب لحکمہٖ، یؤتی الملک من یشآءُ وینزع الملک ممن یشآءُ ویضل من یشآءُ ویھدی من یشآءُ، ما شآءَ کان وما لم یشآء ان یکون لم یکن لو اجتمع الخلائق کلھم علی ان یریدوا شیاءً لم یرد اللہ ان یریدہ ما ارادوہ او یفعلوا شیاءً لم یرد اللہ ایجادہ وارادوہ عند ما اراد منھم ان یریدوہ ما فعلوہ ولا استطاعوا علی ذلک ولا اقدرھم علیہ فالکفر والایمان والطاعۃ والعصیان بمشیتہٖ وحکمہٖ وارادتہٖ، ولم یزل سبحانہٗ موصوفاً بھٰذہٖ الارادۃ ازلاً، والعالم معدومٌ غیر موجود وان کان ثابتاً فی العلم فی عینہٖ ثم اوجد العالم من غیر تفکر ولا تدبر عن جھل او عدم علم فیعطیہ التفکر والتدبر علم ما جھل جل وعلا عن ذلک بل اوجدہ عن العلم السابق فلا مریدٌ فی الوجود علی الحقیقۃ سواہٗ کما قال وما تشآءون الا ان یشآءَ اللہُ نسبحان من لا فاعل سواہُ ولا موجودُ لِنفسہٖ الا ایاہ واللہُ خلقکم وما تعملون۔ (الفتوحات المکیہ جلد اول صفحہ ۳۶ تا صفحہ ۳۸)۔

اس عبارت کا با محاورہ ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔ "بیشک اللہ تعالیٰ اِلٰہِ واحد ہے جس کا الوہیت میں کوئی ثانی نہیں ہے اور وہ پاک ہے بیوی اور بیٹے (اولاد) سے اور وہ ساری کائنات پر تنہا متصرف ہے اس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی وزیر (مشیر) وہ اس کائنات کا تنہا صانع ہے اور اسکے ساتھ کوئی مدبر (مشیر) نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے خود موجود ہے اور اپنے وجود کے لئے کسی موجد کا محتاج نہیں۔ بلکہ اس کے سوا ہر موجود اپنے وجود میں اسی کا محتاج ہے پس یہ ساری کائنات اس کے موجود کرنے سے موجود ہوئی ہے اور وہ بذات خود واحد ہے اور وجود ذاتی سے متصف ہے، نہ اس کے وجود کی کوئی ابتداء ہے اور نہ اس کی بقا کی کوئی انتہا ہے۔ وہ وجود مطلق ہے۔ غیر مقید ہے۔ اپنی ذات سے قائم ہے یعنی قائم بالذات ہے۔ نہ وہ جوہر ہے کہ کسی جیز (جگہ) میں محصور ہو سکے کہ اس کیلئے کوئی مکان ثابت ہو سکے۔ اور نہ وہ عرض ہے کہ اس کیلئے بقا محال ہو جائے۔ اور نہ وہ جسم ہے کہ اسکے لئے جہت اور سمت (تقابل) متعین ہو سکے۔ وہ جہات اور اطراف سے پاک ہے۔ وہ دلوں اور آنکھوں دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے دیکھا جا سکتا ہے - جب چاہے عرش پر مستوی ہو جاتا ہے - اور اسی کے لئے آخرت اور دُنیا ہے - اس کیلئے کوئی ایسی مثال نہیں دی جا سکتی جس کا تصوّر کیا جا سکے - اور نہ انسانی عقل اس کی طرف رہنمائی کر سکتی ہے - زمان (TIME) نہ اسے پا سکتا ہے نہ اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان (SPACE) بلکہ وہ تھا اور مکان نہ تھا - اور وہ ہر اس چیز سے بالاتر ہے جس پر لفظ کَانَ (تھا یا ہے) کا اطلاق ہوتا ہے - اسی نے تو مکین اور مکان کو پیدا کیا ہے اور اسی نے زمانے کو بھی وجود بخشا ہے - اور وہ فرماتا ہے کہ میں واحد ہوں اور الحیّ ہوں - مخلوقات کی حفاظت اسے تھکا نہیں سکتی - اور کوئی ایسی صفت اس کی طرف راجع نہیں ہو سکتی جو مصنوعات (مخلوقات) کی صفات میں سے ہو - وہ بلند ہے اس بات سے کہ حوادث اس میں حلول کریں یا وہ حوادث میں حلول کرے یا یہ کہ حوادث اسکے بعد ہوں یا یہ کہ وہ حوادث سے پہلے ہو یعنی اس کی ذات کے ساتھ کسی قسم کی قبلیت یا بعدیت زمانی کا نہ تصوّر ہو سکتا ہے نہ تعلق - پس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شئے نہ تھی - اسلئے کہ قبلیت اور بعدیت تو اس زمان کے لوازم میں سے ہیں جس کو خود اُسی نے پیدا کیا ہے اور نا ممکن ہے کہ مخلوق اپنے خالق سے پہلے ہو - پس وہ القیوم ہے (دوسروں کو قائم رکھنے والا) وہ کبھی نہیں سوتا اور وہ ایسا قہار ہے، جو کسی کے قبضے میں نہیں آ سکتا اور کائنات میں کوئی شئے اسکی مثل نہیں ہے۔

اس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے بایں طور کہ اسکے سامنے کوئی سابقہ نقشہ (ڈیزائن) نہیں تھا - اور اس نے ہر مخلوق کو پیدا کیا ہے وہ مبدع بھی ہے اور خالق بھی - اور ہر وہ شئے جسے اس نے پیدا کیا ہے، اللہ اسے پُرانا (بوسیدہ) بھی کریگا - پس کوئی ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا مگر یا تو اس کی جانب کریگا یا اسکی جانب سے کریگا - یعنی ہر شئے اُسی کی طرف سے آتی ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاتی ہے - (انا للہ وانا الیہ راجعون) - اس نے ہر شئے کو پیدا کیا ہے بغیر اسکے کہ اسے کسی شئے کی احتیاج ہو اور نہ کائنات میں کوئی ہستی ایسی موجب ہے جس نے فعلِ تخلیق کو اس کیلئے واجب کیا ہو - لیکن اس نے اپنے علم سابق کی بنا پر مخلوق کو خلق کیا ہے - پس وہی اوّل ہے وہی آخر ہے - وہی ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے - اس کا علم ہر شئے کا احاطہ کئے ہوئے ہے - اور اس نے ہر شئے کو شمار کر رکھا ہے - ہر شئے کی گنتی اس کے علم میں ہے - وہ دلوں کے بھیدوں اور نہایت ہی پوشیدہ چیزوں سے آگاہ ہے - اس نے جان لیا اشیا کو اُن کے موجود ہونے سے بھی پہلے پھر موجود کیا ان کو اپنے علم اور اسکے تقاضوں کے مطابق پس وہ ہمیشہ سے تمام اشیائے کائنات کا علم رکھتا ہے -

اور کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں ہے وہ جسے چاہے مُلک یا حکومت عطا کر دے اور جس سے چاہے ملک یا حکومت چھین لے کوئی اس سے بازپرس نہیں کر سکتا - اسی طرح وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت عطا کر دے - جس چیز کا موجود ہو جانا اس نے چاہا وہ موجود ہو گئی - اور جس چیز کو اس نے چاہا کہ موجود نہ ہو وہ موجود نہیں ہو سکتی - اگر تمام دُنیا اس پر مجتمع ہو جائے کہ اس شئے کو موجود کر دے، جسے اللہ موجود کرنا نہیں چاہتا، تو ساری دُنیا اسے موجود نہیں کر سکتی - اسی طرح اگر دُنیا کے تمام آدمی مل کر اس چیز کا ارادہ کریں جس کا ارادہ اللہ نے نہیں کیا تو وہ اس شئے کا ارادہ نہیں کر سکتے - اور نہ انھیں کبھی اسکی قدرت حاصل ہو سکیگی، نہ استطاعت - پس تمام کفر اور ایمان اور طاعت اور عصیان، یہ سب اس کی مشیئت اور اسکے حکم اور اسکے ارادے سے ہیں - اور اللہ ہمیشہ سے اسی صفت سے موصوف ہے کہ ساری کائنات اسکی مشیئت کے تابع ہے - پس یہ عالم بذاتِ خود معدوم اور غیر موجود ہے - اگرچہ یہ عالم بعینہٖ اس کے علم میں ثابت ہے - پس اس نے عالم کو اس طرح پیدا نہیں کیا کہ وہ پہلے جاہل تھا پھر تفکّر اور تدبّر کی بدولت

© rasailojaraid.com

اس نے عالم کا علم حاصل کیا اور جانا اُس چیز کو جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس جہل کے نقص سے بزرگ اور برتر ہے بلکہ اس نے دُنیا کو اپنے علم سابق (ازلی) کے مطابق پیدا کیا ہے۔ پس وجود میں، درحقیقت اس کے سوا اور کوئی موثر یا مرید نہیں ہے۔ چنانچہ وُہ خود فرماتا ہے کہ تم نہیں چاہ سکتے جب تک وہ نہ چاہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے سوا اور کوئی ہستی درحقیقت فاعل نہیں ہے اور کوئی ہستی اس کے سوا بذاتِ خود (درحقیقت) موجود نہیں ہے اور بے شک اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی"۔

یہ ہیں وہ عقائد جن کا اظہار شیخ اکبرؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں کیا ہے۔ ان کو بغور مطالعہ کرنے کے بعد ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں:۔

(۱) امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی نے اس سے زیادہ اور کیا صراحت کی ہے؟

(۲) جس شخص کے عقائد یہ ہوں اسے کافر یا زندیق کہنا خود اپنا ہی نامۂ اعمال سیاہ کرنا ہے یا نہیں؟

(۳) ایسے عقیدے رکھنے والا شخص حلول یا اتحاد کا قائل ہو سکتا ہے؟

بقیہ نقد و نظر صفحہ ۳۲ سے آگے

(۶) سلاطین، جن کا وجود اسلام کے ماتھے پر نہایت مکروہ داغ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جن کا وجود اسلام کی نفی ہے کیونکہ اسلام تو ملوکیت کا سب سے بڑا دشمن ہے[لہ] (۷) بزدلی، جو فقدانِ یقین کا منطقی نتیجہ ہے۔

(۸) حُبِ دُنیا اور ترسِ مرگ۔ ایک دن حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا۔ جب دُنیا کی قومیں مُسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑینگی جس طرح بھوکے آدمی کھانوں کی رکابیوں پر۔ یہ سُن کر صحابہؓ نے دریافت کیا "کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہو گی؟" حضور علیہ السلام نے فرمایا نہیں بلکہ بہت ہو گے مگر تمہاری حالت ایسی ہو گی جیسے سیلاب کے اوپر گھاس کے تنکے۔ صحابہؓ نے عرض کی حضور! اس کی وجہ کیا ہو گی؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا تم میں وھن پیدا ہو جائیگا۔ دریافت کیا وھن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دولت کی محبت اور موت کا خوف"۔

(۹) تعصب، جو جہالت کا لازمی ثمرہ ہے۔ اور جس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

(۱۰) الحاد پروری اور قدامت پسندی۔ (۱۱) توکل، تقدیر، صبر اور شکر کے غلط مفہوم کا دماغوں میں جاگزیں ہو جانا۔ جو قرآن و حدیث سے بیگانگی کا لازمی نتیجہ ہے (۱۲) کورانہ تقلید جو جہالت کا منطقی نتیجہ ہے۔ ان اسباب میں ایک سبب کا اور اضافہ کر دیا جائے تو شاید فردِ قرارداد جرم مکمل ہو جائے گی۔ اور وہ سبب فرقہ بندی ہے حالانکہ قرآن کریم نے ابتدا ہی میں مسلمانوں کو اس مہلک مرض سے آگاہ کر دیا تھا: وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ط اور اے مسلمانو! تم مُشرکوں میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی اُن لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے (۳۰-۳۲)

مالکان کارخانہ تجارت کتب نے اس کتاب کو شایع کر کے بہت بڑی قومی خدمت انجام دی ہے اور ہم ہر لکھے پڑھے مسلمان سے اس کتاب کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں

لہ اقبال مرحوم لاہوری نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے:۔

چار مرگ اندر پئے این دیر میر　　سود خوار و والی و ملا و پیر

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری　　اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

© rasailojaraid.com